بسم اللہ الرحمن الرحیم

ششماہی علوم القرآن علی گڑھ، ۳۲/۱، جنوری۔ جون ۲۰۱۷ء

اداریہ

قرآن کریم اور دوسروں کو نفع رسانی

ظفر الاسلام اصلاحی

اللہ رب العزت رحیم و کریم ہے، اس کا منتخب دین اسلام دینِ فطرت و رحمت ہے، اس نے نبیِ آخر الزماں حضرت محمد ﷺ کو ساری دنیا کے لیے رسولِ رحمت بنا کر مبعوث فرمایا اور ان پر جو کتاب (قرآن کریم) نازل فرمائی وہ سب کے لیے کتابِ رحمت ہے۔ اس کا تقاضا ہے کہ دینِ رحمت کو قبول کرنے اور اسے اپنی متاعِ عزیز بنانے والے سب کے لیے باعثِ رافت و رحمت ثابت ہوں، معاشرہ میں ایک دوسرے کے ہمدرد و غم گسار بنیں اور اپنے قول و عمل سے دوسروں کو نفع پہنچائیں۔ قرآن مجید سے یہی تعلیم ملتی ہے اور نبی اکرم ﷺ نے بھی یہی راہ دکھائی ہے۔ یہاں یہ واضح رہے کہ مجلّہ علوم القرآن کے سابق اداریہ (مسابقت الی الخیرات کی دعوت-قرآن وحدیث کی روشنی میں) میں سورہ ابراہیم کی آیت ۲۵/ کے حوالہ سے یہ بیان کیا گیا تھا کہ کلمۂ طیبہ کی مثال ایک ایسے درخت کی ہے جس کی جڑیں زمین میں پیوست ہیں اور جس کی شاخیں آسمان تک پھیلی ہوئی ہیں اور جو ہر وقت پھل دیتا رہتا ہے اپنے ربِّ کریم کے حکم سے۔ اس میں کسی شبہ کی گنجائش نہیں کہ اس درخت کو اپنا سرمایۂ حیات بنانے والے یعنی اہلِ ایمان کا امتیاز یہ ہے کہ وہ سراپا خیر و منفعت بن جاتے ہیں اور نافعیت ان کا طرزِ حیات ہو جاتا ہے۔ وہ اخلاقِ حسنہ کا مظاہرہ کرتے ہیں جو دوسروں کے لیے راحت وسکون کا باعث بنتا ہے۔ حقیقت یہ کہ اخلاقی تعلیمات پر عمل کرنے والے اور انسانی اقدار کا پاس و لحاظ رکھنے والے ہی گھر

والوں، رشتہ داروں، پڑوسیوں، دوستوں، کمزوروں، مزدوروں اور زیرِ دستوں کے حقوق کی پاسبانی کرتے ہیں اور وہ اس طور پر زندگی گزارتے ہیں کہ لوگوں کے لیے راحت ورافت کا ذریعہ بنیں، نہ کہ زحمت وتکلیف کا، یعنی وہ اپنے اعضاء وجوارح، مال واسباب، علم وہنر، فکر وسوچ، تقریر وتحریر ہر چیز سے دوسروں کو فائدہ پہنچانے میں لگے رہتے ہیں۔ حقیقت یہ کہ جس شخص کا وجود دوسروں کے لیے باعثِ زحمت وتکلیف ہو اسے نہ اللہ محبوب رکھتا ہے اور نہ وہ خلقِ خدا کا پسندیدہ بن سکتا ہے۔ یہاں یہ ذکر دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ ایک حدیث میں نبی کریم ﷺ نے مومن کی مثال کھجور کے درخت سے دی ہے جس کے پتّے کبھی جھڑتے نہیں (صحیح مسلم، کتاب صفات المنافقین و احکامہا، باب مثل المومن مثل النخلۃ)۔ بعض جدید شارحین حدیث نے اس کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ''جس طرح کھجور کا درخت ہمیشہ سرسبز وشاداب رہتا ہے، خزاں اس کے پاس کبھی نہیں آتی، ٹھیک یہی کیفیت اسلام کی وجہ سے مسلم کی ہوتی ہے۔ ہمیشہ اس سے لوگوں کو فائدہ ہی پہنچتا ہے، خیر وبرکت کے سوا اس کی ذات سے کوئی دوسری چیز ظاہر نہیں ہوتی'' (محمد فاروق خاں، کلامِ نبوت، مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، نئی دہلی، ۲۰۱۴ء، ۱/۳۵۳)۔ اس میں کیا شبہ ہے کہ پوری زندگی مومن کی حیثیت ایک شجرِ سایہ دار وثمر آور کی ہوتی ہے، وہ خیر کمانے اور اس سے دوسروں کو مستفیض کرنے میں مصروف رہتا ہے، یہاں تک کہ وہ اپنے رب کے پاس پہنچ جاتا ہے اور اسے اس کا اجر مل جاتا ہے۔ اس حدیث سے یہ بات اچھی طرح واضح ہوجاتی ہے جس میں آپ ﷺ کا یہ ارشاد گرامی بیان کیا گیا ہے: لن یشبع المومن من خیر یسمعہ حتّیٰ یکون منتہاہ الجنّۃ (جامع ترمذی، ابواب العلم، باب ماجاء فی فضل الفقہ علی العبادۃ) [مومن کو خیر سے کبھی سیری نہیں ہوتی یہاں تک کہ وہ اپنی آخری منزل جنت میں پہنچ جاتا ہے]۔ گویا اسے بھلائی کی بات سنے اور خیر کا کام کیے بغیر چین نہیں ملتا۔

کسی دوسرے کو نفع پہنچانے کی مختلف صورتیں ہوسکتی ہیں: کوئی کمزور وضعیف ہو اور چل پھر نہ سکتا ہو تو اسے سہارا دے کر، اس کا سامان اٹھا کر اور اس کی روزمرہ ضروریات پوری کرنے میں اس کی مدد کرکے، کوئی محتاج وغریب ہو تو اسے مالی مدد دے کر، کوئی بھوکا

پیاسا ہو تو اسے کھانا پانی دے کر، کوئی علم کا پیاسا ہو تو اس کی تشنگی دور کر کے، یا کسی کو کوئی اور ضرورت ہو تو اسے پوری کر کے ۔ مروجہ اصطلاح میں ان سب کاموں کو مجموعی طور پر ''خدمتِ خلق'' (Social Service) کا نام دیا جاتا ہے۔ قرآن کریم کی نظر میں اس خدمت میں مصروف رہنے والے اللہ کے نیک و محبوب بندے ہیں جنہیں جنت میں طرح طرح کی نعمتوں سے نوازا جائے گا۔ ان کی خوبیوں میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ وہ دنیا میں رہتے ہوئے اپنے واجبات کو پورا کرنے والے ہیں، روزِ حساب سے ڈرنے والے ہیں اور اللہ کی محبت میں غریبوں، یتیموں اور قیدیوں کو کھانا کھلاتے ہیں (الدہر:۷۶/۵-۸)۔ ارشادِ الٰہی ہے:

إِنَّ الْأَبْرَارَ يَشْرَبُونَ مِن كَأْسٍ كَانَ مِزَاجُهَا كَافُوراً. عَيْناً يَشْرَبُ بِهَا عِبَادُ اللّٰهِ يُفَجِّرُونَهَا تَفْجِيراً. يُوفُونَ بِالنَّذْرِ وَيَخَافُونَ يَوْماً كَانَ شَرُّهُ مُسْتَطِيراً. وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلَى حُبِّهِ مِسْكِيناً وَيَتِيماً وَأَسِيراً (الدہر:۷۶/۵-۸)

انسان کو نفع پہچانے کے مختلف طریقے ہیں، جیسا کہ اوپر واضح کیا جا چکا ہے۔ ان میں ضرورت مند کے لیے اپنا مال خرچ کرنا یا کسی کی مالی مدد کرنا بہت معروف ہے۔ اسی کے ساتھ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ مال کی محبت انسان کی فطرت میں داخل ہے، اسے اپنے سے جدا کرنا اور کسی پر خرچ کرنا بہت گراں گزرتا ہے، اس کے لیے نفس پر جبر کرنا پڑتا ہے۔ لیکن ایمانی قوت اور آخرت میں باز پرس کا احساس اس مشکل کام کو آسان بنا دیتا ہے۔ اوپر کی آیت میں اہلِ ایمان کی یہی خوبی بیان کی گئی ہے اور ایک دوسری آیت (البقرۃ:۲/۱۷۷) سے یہ حقیقت مزید عیاں ہوتی ہے کہ نیکی کا اعلیٰ مقام یہ ہے کہ اللہ کی محبت کے تقاضے سے رشتہ داروں، مسکینوں و یتیموں پر مال خرچ کیا جائے۔ حقیقت یہ کہ کوئی نیکی کے اعلیٰ مقام تک پہنچ ہی نہیں سکتا جب تک کہ اللہ کی محبت اس کی تمام محبوب چیزوں پر غالب نہ آجائے اور اس مال کو اس کے بندوں کے فائدہ کے لیے خرچ نہ کرے جو اسے بے حد عزیز ہوتا ہے یعنی ذاتِ باری تعالیٰ کی محبت میں اپنی انتہائی محبوب چیزوں کو اس کے بندوں کے لیے قربان نہ کردے۔ یہ آیتِ کریمہ اسی نکتہ کو واشگاف کر رہی ہے:

لَنْ تَنَا لُوا الْبِرَّ حَتّٰی تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ (آل عمران: ۹۲/۳)[تم نیکی کونہیں پہنچ سکتے جب تک کہ اپنی وہ چیزیں (اللہ کے بندوں کی بھلائی کے کاموں میں) خرچ نہ کرو جنہیں تم عزیز رکھتے ہو]۔واقعہ یہ کہ کسی ضرورت مند پر یا کسی کی مدد کے لیے اپنی متاعِ عزیز یعنی مال خرچ کرنا ایک انتہائی دشوار گزار گھاٹی ہے جسے وہی پار کر سکتا ہے جو اللہ و یومِ آخرت پر یقین رکھتا ہو، مال و دولت کو منعمِ حقیقی کی امانت سمجھتا ہو اور اسے اس بات پر شرحِ صدر حاصل ہو کہ فرمانِ الٰہی کے مطابق اسے کارِ خیر یا عام انسانوں کی نفع رسانی کے لیے خرچ کرنا خود اس کے لیے باعثِ خیر و برکت ہے۔اس حقیقت کی طرف قرآن کریم کتنے دل نشیں انداز میں انسان کو متوجہ کر رہا ہے۔سورۃ البلد کے شروع میں انسان کو مال و دولت اور دوسری نعمتیں عطا کیے جانے اور پھر اس کے متکبرانہ رویہ کے ذکر کے بعد اللہ رب العزت فرماتا ہے:

فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ. وَمَآ أَدْرٰکَ مَا الْعَقَبَةُ. فَکُّ رَقَبَةٍ. أَوْ إِطْعَامٌ فِیْ یَوْمٍ ذِیْ مَسْغَبَةٍ. یَتِیْماً ذَا مَقْرَبَةٍ. أَوْ مِسْکِیْناً ذَا مَتْرَبَةٍ (البلد: ۹۰/۱۱-۱۶)

مگر اس نے دشوار گزار گھاٹی سے گزرنے کی ہمت نہ کی اور تم کیا جانو کہ دشوار گزار گھاٹی کیا ہے؟ کسی گردن کو غلامی سے چھڑانا، یا فاقہ کے دن کسی قریبی یتیم یا خاک نشیں مسکین کو کھانا کھلانا۔

مذکورہ بالا نکتہ پر مزید روشنی ان آیات سے پڑتی ہے جن میں یہ واضح کیا گیا ہے کہ دینِ حق کا انکار یا اس کی تکذیب کرنے والوں کی حالت یہ ہوتی ہے کہ وہ اپنا مال نہ تو خود غریبوں وضرورت مندوں پر خرچ کرتے ہیں اور نہ دوسروں کو اس پر ابھارتے ہیں، یعنی وہ طبیعت کے اتنے پست ہیں کہ انہیں یہ بھی گوارا نہیں کہ اللہ کا دیا ہوا مال اس کے محتاج و ضرورت مند بندوں پر خرچ کریں اور انہیں فائدہ پہنچائیں، بلکہ وہ الٹے ان کی تحقیر کرتے ہیں اور انہیں دھتکارتے ہیں۔اس آیت میں ایسے ہی بے دین وخسیس لوگوں کی کیفیت کی عکاسی کی گئی ہے: أَرَأَیْتَ الَّذِیْ یُکَذِّبُ بِالدِّیْنِ. فَذٰلِکَ الَّذِیْ یَدُعُّ الْیَتِیْمَ. وَلَا یَحُضُّ عَلٰی طَعَامِ الْمِسْکِیْنِ (الماعون: ۱۰۷/۱-۳)[کیا تم نے دیکھا نہیں اس شخص کو جو روزِ جزا کو جھٹلاتا ہے، پس وہی ہے جو یتیم کو دھتکارتا ہے اور مسکین کو کھانا کھلانے پر (کسی

کو) ابھارتا نہیں]۔ یعنی حاجت مند کی مالی اعانت سے خود گریز کرتا ہے اور دوسروں کو بھی اس کی ترغیب نہیں دیتا۔ یہ بڑی عبرت کی بات ہے کہ آخرت میں جب جہنمیوں سے پوچھا جائے گا کہ تمہیں کس چیز نے اس بدترین انجام سے دوچار کیا تو وہ اس کی ایک وجہ یہ بیان کریں گے وہ مسکین کو کھانا نہیں دیتے تھے (مَا سَلَکَکُمْ فِیْ سَقَرَ. قَالُوا لَمْ نَکُ مِنَ الْمُصَلِّیْنَ. وَلَمْ نَکُ نُطْعِمُ الْمِسْکِیْنَ. وَکُنَّا نَخُوضُ مَعَ الْخَائِضِیْنَ / المدثر: ۷۴/ ۴۲-۴۵) [تمہیں کس چیز نے جہنم میں ڈالا؟ وہ کہیں گے ہم نماز پڑھنے والوں میں سے نہ تھے اور نہ مسکین کو کھانا کھلاتے تھے اور بے کار بحث کرنے والوں کے ساتھ کٹھ حجتی کرتے تھے]۔ اس آیت سے اچھی طرح یہ واضح ہوتا ہے کہ قرآن کی نظر میں مسکین پر مال خرچ کرنے اور اسے کو کھانا کھلانے یعنی اپنے مال کے ذریعہ اسے فائدہ پہنچانے کی کس قدر اہمیت ہے۔

یہاں یہ بھی واضح رہے کہ متعدد آیات میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ اللہ محسنین یا احسان کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے: وَاَحْسِنُوْا اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ (البقرۃ: ۲/۱۹۵) [اچھے کام کرتے رہو اللہ اچھے کام کرنے والوں کو پسند کرتا ہے]۔ لفظ ''احسان'' کے مختلف معانی (نیک کام کرنا، اچھا سلوک کرنا، صرف اللہ کی خوشنودی کے لیے کار خیر میں مصروف رہنا، کسی کام کو اچھی طرح انجام دینا) بیان کیے جاتے ہیں۔ یہ بات قابلِ غور ہے کہ قرآن کریم میں جہاں جہاں یہ لفظ (محسنین) آیا ہے ان کے سیاق پر نظر ڈالنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ بیشتر مقامات پر اس سے قبل ان لوگوں کا تذکرہ ہوا ہے جنہوں نے بندگانِ خدا کو نفع پہنچانے والے یا انہیں تکلیف سے بچانے والے کام انجام دیے ہیں۔ اسی ضمن میں یہ ذکر بھی اہم معلوم ہوتا ہے کہ بعض ماہرین قرآنیات نے سورہ النحل کی آیت/۹۰ (اِنَّ اللّٰہَ یَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالإِحْسَانِ وَإِیْتَاءِ ذِیْ الْقُرْبٰی) کی تشریح کرتے ہوئے یہ واضح کیا ہے کہ ''احسان'' سے مراد وہ نیکیاں ہیں جن کا نفع دوسروں تک پہنچنے والا ہے (سید عبدالکبیر عمری، نور ہدایت، جامعہ دار السلام، عمر آباد ۲۰۱۴ء، ص ۲۸۹)۔

یہ بات بخوبی معروف ہے کہ کسی کے ساتھ احسان یا بھلائی کرنے کی مختلف

صورتیں (ذہنی وقلبی اور علمی وعملی) ہیں جن میں سے کوئی بھی اختیار کی جاسکتی ہے۔ اللہ رب العزت نے خیر کے ہر کام کو کامیابی وسعادت کا وسیلہ بتایا ہے (الحج:۲۲/۷۷)۔ اس میں کسی شبہ کی گنجائش نہیں کہ ہر وہ کام جس کا تعلق کسی شخص کی فلاح و بہبود سے ہو وہ اس کے لیے نفع بخش بنتا ہے۔ ان نفع بخش کاموں میں دعاء بھی شامل ہے جو اپنے لیے باعثِ خیر و برکت ہے، اور دوسروں کے لیے بھی۔ دعاء کی فضیلت کے لیے یہ ذکر کافی ہے کہ اسے حدیث میں عبادت کا مغز کہا گیا ہے (الدعاء مخّ العبادۃ)۔ دعاء اپنے لیے کرنی چاہیے اور دوسروں کے لیے بھی۔ ہر مومن اپنے لیے دین ودنیا دونوں کی بھلائی کا طالب ہوتا ہے اور اسی کی ہمیں دعاء سکھائی گئی ہے (البقرۃ:۲/۲۰۱؛ الاعراف:۷/۵۶)۔ حدیث میں اہلِ ایمان کی یہ شناخت بتائی گئی ہے کہ جو اپنے لیے پسند کرتے ہیں وہی دوسرے بھائیوں کے لیے بھی۔ ارشادِ نبوی ﷺ ہے: لا یومن احد کم حتّیٰ یحبُّ لاخیه ما یحبُّ لنفسه (صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب الدلیل علیٰ انّ من خصال الایمان ان یحبّ لاخیه ما یحبّ لنفسه من الخیر) [تم میں سے کوئی اس وقت تک (صحیح معنوں میں) مومن نہیں ہوسکتا جب تک اپنے بھائی کے لیے وہی چیز پسند نہ کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے]۔ ہم میں سے کون ہے جو اپنے لیے خیر کو پسند نہیں کرتا۔ بلاشبہ دوسروں کو نفع پہچانے کا ایک معروف وموثر ذریعہ یہ بھی ہے کہ ان کے لیے خیر کو پسند کیا جائے اور ان کے لیے دعاء کی جائے کہ انہیں بھلائی نصیب ہو۔ اس ضمن میں نبی کریم ﷺ کا یہ ارشادِ گرامی دعاء کی نافعیت وفضیلت کو مزید مبرہن کردیتا ہے کہ دعاء نفع بخش ہے اس آفت ومصیبت کے لیے جو نازل ہوچکی ہے اور اس کے لیے بھی جو ابھی نازل نہیں ہوئی ہے، پس اے اللہ کے بندو! دعاء کے اہتمام کو اپنے اوپر لازم کرلو۔ ارشادِ نبوی ﷺ ہے: (انّ الدعاء ینفع ممّا نزل وممّا لم ینزل فعلیکم عباد الله بالدعاء (جامع ترمذی، کتاب الدعوات، باب ماجاء فی فضل التوبۃ والاستغفار وما ذکر من رحمۃ اللہ لعبادہ)۔ مزید براں دعا کو مومن کا ہتھیار کہا گیا ہے (المستدرک للحاکم، دائرۃ المعارف النظامیہ، حیدرآباد، ۱۳۳۴ھ، ۱/۴۹۲)۔ بلاشبہ وہ اس کے ذریعہ مصائب وآفات سے اپنا بچاؤ کرسکتا ہے اور دوسروں کے فائدہ کے لیے بھی

اسے استعمال کر سکتا ہے۔

قرآن کریم میں ان لوگوں کو اللہ کے محبوب بندوں میں شمار کیا گیا ہے جو اپنے عمل سے لوگوں کو نفع پہنچاتے ہیں۔ سورہ الفرقان ۶۳/ میں اللہ کے نیک و محبوب بندوں کی اولین صفت یہ بیان کی گئی ہے کہ وہ زمین پر آہستہ روی سے چلتے ہیں یعنی اکڑ کر غرور و تکبر کرنے والوں کی چال نہیں چلتے۔ اور اگر جہالت کرنے والے ان سے مخاطب ہوتے ہیں تو وہ سلامتی کی دعاء دیتے ہوئے ان سے کنارہ کش ہو جاتے ہیں (وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْأَرْضِ هَوْناً وَإِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلَاماً)۔ بلاشبہ غرور و تکبر کرنے والوں کے رویہ سے دوسروں کو تکلیف پہنچتی ہے۔ مزید براں قرآن میں ان لوگوں کو "محسن" (نیکوکار یا بھلائی کے کام کرنے والے) کہا گیا ہے جو غصہ کو پی جانے والے اور (بدسلوکی کرنے والوں کو) معاف کر دینے والے ہیں۔ ارشادِ ربانی ہے: وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ (آل عمران: ۱۳۴/۳) [اور جو غصہ کو پی جاتے ہیں اور لوگوں کو معاف کر دیتے ہیں اور اللہ احسان کرنے والوں کو پسند کرتا ہے]۔ یہ بات بخوبی معروف ہے کہ غصہ کی حالت میں انسان اپنے ہوش و حواس کو کھو بیٹھتا ہے اور اپنے آپ میں قابو میں نہیں رہتا اور ایسی حالت میں وہ حقوق اللہ اور حقوق العباد دونوں کا پاس و لحاظ باقی نہیں رکھ پاتا۔ اس صورتِ حال میں اس کا رویہ یا اقدام خود اس کے لیے نقصان دہ ثابت ہوتا ہے اور دوسروں کے لیے بھی باعثِ اذیت بنتا ہے۔

قرآن اپنے ماننے والوں کی فکری تربیت اس نہج پر کرتا ہے کہ اعمال صالحہ صرف عبادات میں محدود نہیں ہیں، بلکہ اس کا دائرہ بہت وسیع ہے، دین اور دین داری کا تقاضا یہ ہے کہ عبادات کی بجا آوری کے ساتھ خیر کے دوسرے کام بھی انجام دیے جائیں۔ درج ذیل آیت کا ماحصل یہی ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا ارْكَعُوا وَاسْجُدُوا وَاعْبُدُوا رَبَّكُمْ وَافْعَلُوا الْخَيْرَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ (الحج: ۷۷/۲۲)	اے ایمان والو! رکوع کرو اور سجدہ کرو اور اپنے رب کی عبادت کرو اور خیر کے کام کرو تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ۔

یہ آیت یہ پیغام دے رہی ہے کہ عبادات کی ادائیگی کے ساتھ ہر اس کام کی انجام دہی کو شیوہ بنایا جائے جو اپنے لیے باعثِ خیر ہو اور دوسروں کے لیے بھی۔ یہ بات بخوبی معروف ہے کہ دین اسلام حقوق اللہ و حقوق العباد دونوں حقوق کی ادائیگی سے عبارت ہے، لہٰذا اسلام اپنے ماننے والوں سے یہ مطالبہ کرتا ہے کہ قرآن و حدیث میں بیان کردہ اللہ اور اس کے بندوں دونوں کے حقوق کی ادائیگی میں وہ سرگرم رہیں۔ اس میں شبہ نہیں کہ بندوں کے حقوق کی ادائیگی ان کے لیے نفعِ کثیر کا باعث بنتی ہے۔ درحقیقت اہلِ اسلام سے یہ مطلوب ہے کہ ان کے شب و روز اس طور پر بسر ہوں کہ ان کی ہر بات و ہر عمل اور ہر حرکت (بولنا، اٹھنا بیٹھنا، چلنا پھرنا، محنت و مزدوری کرنا، پڑھنا لکھنا یا کوئی اور کام کرنا کرنا) دوسروں کے لیے خیر کا وسیلہ بنے اور وہ خلقِ خدا کے لیے نفع بخش ثابت ہوں۔ یہ حدیث بہت مشہور ہے: خیر الناس من ینفع الناس (تم میں بہتر وہ ہے جو لوگوں کو نفع پہنچائے) [علی ابن حسام الدین المتقی، منتخب کنز العمال فی سنن الاقوال والافعال، داراحیاء التراث العربی، بیروت، ۱۹۹۰ء، ۳۰۵/۶]۔

قرآن کریم میں معاشرتی و معاشی زندگی سے متعلق جو احکام (ملاقات کے وقت سلام کرنا، خندہ پیشانی سے ملنا، اچھے نام سے پکارنا، نرمی سے بات کرنا، انکساری و تواضع، سچائی، صاف گوئی، دیانت داری، معاملات کی صفائی، اعتدال و میانہ روی کا مظاہرہ کرنا) ملتے ہیں اگر ان پر غور کیا جائے تو یہ حقیقت سامنے آئے گی کہ ان میں سے ہر ایک پر عمل اپنے لیے موجبِ خیر و برکت ہونے کے علاوہ دوسروں کو بھی آرام و فائدہ پہنچانے والا ہے۔

قرآن نے اس پہلو سے بھی نفع رسانی یا دوسروں کو فائدہ پہنچانے کی ترغیب دی ہے کہ اللہ رب العزت نے انسان کو طرح طرح کی نعمتوں سے نوازا ہے اور مختلف قسم (جسمانی و ذہنی اور علمی و فنی) کی صلاحیتیں بخشی ہیں جن سے وہ صبح سے شام تک فائدہ اٹھاتا رہتا ہے۔ ربِّ کریم کی اس نوازش و کرم فرمائی کا تقاضا یہ ہے کہ اس کا شکر ادا کیا جائے۔ زبان سے شکر ادا کرنے کے علاوہ یہ بھی منعم حقیقی کی شکر گزاری ہے کہ اس کی عطا کردہ نعمتوں اور صلاحیتوں سے دوسروں کو بھی مستفیض کیا جائے۔ یہ آیت کریمہ یہی پیغام دے رہی ہے:

أَحْسِنْ كَمَا أَحْسَنَ اللّٰهُ إِلَيْكَ (القصص:۲۸/۷۷)

جس طرح اللہ نے تمھارے ساتھ احسان کیا ہے، تم بھی [دوسروں کے ساتھ] احسان کا معاملہ کرو۔

سورہ بقرہ کی ایک آیت (جسے آیتِ دین کہا جاتا ہے) سے اس نکتہ کی دل نشین تشریح ملتی ہے۔ اس آیت میں قرض کے لین دین کے معاملہ کا تحریری ریکارڈ تیار کرنے کی ہدایت دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے جو بات تلقین کی اس کا مفہوم یہ ہے کہ لکھنے یا کتابت کی صلاحیت رکھنے والوں کو اگر لین دین کے معاملہ کو تحریری شکل دینے کے لیے بلایا جائے تو وہ یہ خدمت انجام دینے سے انکار نہ کریں، بلکہ اسے خوش دلی سے انجام دیں اور یہ یاد رکھیں کہ اللہ نے اپنے فضل و کرم سے انہیں لکھنے کی صلاحیت عطا کی ہے، اب ان پر یہ فرض عاید ہوتا ہے کہ وہ اس فضل و کرم پر منعمِ حقیقی یعنی اللہ کو یاد کریں اور اس صلاحیت ے دوسروں کو فائدہ پہنچائیں۔ یہ اللہ کے بندوں کے ساتھ احسان کا معاملہ اور اس کی بخشی ہوئی صلاحیت کا بہترین استعمال ہوگا۔ اب متعلقہ آیت ملاحظہ فرمائیں:

يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا إِذَا تَدَايَنتُم بِدَيْنٍ إِلَى أَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوهُ وَلْيَكْتُب بَّيْنَكُمْ كَاتِبٌ بِالْعَدْلِ وَلَا يَأْبَ كَاتِبٌ أَنْ يَكْتُبَ كَمَا عَلَّمَهُ اللّٰهُ فَلْيَكْتُبْ (البقرۃ:۲/۲۸۲)

اے ایمان والو! جب مقررہ مدت کے لئے آپس میں قرض کا لین دین کرو تو اسے لکھ لیا کرو اور تمھارے درمیان لکھنے والا انصاف سے لکھے اور لکھنے والے کو چاہیے کہ وہ لکھنے سے انکار نہ کرے [وہ یاد رکھے]، جیسا کہ اللہ نے اسے سکھایا ہے۔ پس وہ لکھے۔

اسی ضمن میں یہ بھی واضح رہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں بار با اپنی نعمتوں کو یاد دلایا ہے، کہیں اہلِ ایمان سے خصوصی خطاب ہے اور کہیں عام انداز میں تمام لوگوں کو خطاب کیا ہے۔ اس سے اصل مقصود نعمتیں عطا کرنے والے کو یاد کرنے، انہیں اس کی مرضی کے مطابق استعمال کرنے اور اس کا شکر بجالانے کی طرف [illegible] کرنا ہے۔ اس

سلسلہ کی ایک آیت ملاحظہ ہو:

يَـا أَيُّهَـا الـنَّـاسُ اذْكُـرُوا نِـعْمَتَ اللّٰهِ عَـلَيْـكُـمْ هَـلْ مِـنْ خَـالِقٍ غَيْـرُ اللّٰـهِ يَـرْزُقُـكُم مِّنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ فَأَنَّى تُؤْفَكُونَ (فاطر: ۳۵/۳)	اے لوگو! تم پر جو اللہ کے احسانات ہیں انہیں یاد رکھو۔ کیا اللہ کے سوا کوئی اور خالق ہے جو تمھیں آسمان و زمین سے روزی دیتا ہے، اس کے سوا اور کوئی معبود نہیں، آخر تم کہاں بھٹکے جا رہے ہو۔

(اللہ کی نعمتوں کی تذکیر کرانے والی آیتوں کے لیے مزید دیکھیے: البقرۃ: ۲/۴۰، ۲۲۱؛ آل عمران: ۳/۱۰۳؛ المائدۃ: ۵/۷، ۱۱؛ النحل: ۱۶/۸؛ الاحزاب: ۳۳/۹)۔

بعض آیات میں اللہ ربّ العزت نے نعمتِ الٰہی نصیب ہونے پر واضح طور پر شکر بجالانے کی ہدایت دی ہے۔ مثال کے طور پر یہ آیت ملاحظہ فرمائیں:

وَاشْـكُـرُوا نِـعْمَتَ اللّٰهِ إِن كُنتُمْ إِيَّاهُ تَعْبُدُونَ (النحل: ۱۶/۱۱۴)	اور اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا کرو اگر تم [صحیح معنوں میں] اس کی بندگی کرنے والے ہو۔

یہ بات اوپر ذکر کی جاچکی ہے کہ نعمت کا صحیح استعمال بھی اس کا شکر ادا کرنا ہے۔ یہ نکتہ محتاجِ وضاحت نہیں کہ اللہ کی دی ہوئی نعمت کا صحیح استعمال اپنے لیے بھی نفع بخش بنتا اور دوسروں کے لیے بھی۔ اس پہلو سے نعمتِ الٰہی کا شکر ادا کرنے کی اہمیت واضح کرتے ہوئے ایک معروف عالمِ قرآن نے بجا فرمایا ہے:

> ''عام طور پر لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ زبان سے کسی طرح ''الحمد للہ'' کہہ لینے سے حقِّ شکر ادا ہو جاتا ہے۔ یہ بہت بڑی بھول ہے۔ اللہ کی دی ہوئی کسی بھی نعمت کی قدر اور اس کا صحیح استعمال اس کا ''شکر'' ہے، اگر چہ زبان سے ''الحمد للہ'' کا لفظ نہ ادا کرے۔ اس کے برخلاف اللہ کی عطا کی ہوئی کسی بھی نعمت کی ناقدری اور اس کا غلط استعمال یہ اس کی ناشکری ہے، اگر چہ آدمی ہزار بار ''الحمد للہ'' کیوں نہ کہے'' (نورِ ہدایت، محولہ بالا، ص ۹۱)۔

صالح معاشرہ کی تشکیل یا معاشرتی زندگی کی بہتری وخوش گواری خیر یا نیکی کے فروغ پر منحصر ہے، لہٰذا اس کام میں تعاون دینا کسی ایک فرد کو نہیں بلکہ پورے معاشرہ کو نفع پہنچانا ہے، اس لیے کہ معاشرہ میں خیر کا فروغ پانا اس کی اصلاح اور امن وامان کے قیام کا ذریعہ بنتا ہے اور اس کا فیض معاشرہ کے ہر فرد کو پہنچتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن وحدیث میں بھلائی کے کاموں میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کی تاکید کی گئی ہے اور برے کاموں میں دوسرے کو مدد دینے سے منع کیا گیا ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَى وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ (المائدۃ: ۲/۵)	اور نیکی و پرہیزگاری میں ایک دوسرے کی مدد کرو اور گناہ و زیادتی کے کام میں ایک دوسرے کی مدد نہ کرو۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ نیکی کمانے یا نیک کام انجام دینے میں کسی کی مدد کرنا اور زیادتی کرنے یا گناہ کا کام کرنے والوں کی مدد نہ کرنا قرآن کی نظر میں مطلوب ہے۔ بلاشبہ اس لیے یہ انسانیت کی بہت بڑی خدمت اور انسانی معاشرہ کی بھلائی اس میں ہے کہ اچھے کام انجام دینے والوں کی مدد کی جائے اور شر وفساد پھیلانے والوں سے دوری اختیار کی جائے۔

قرآن کی رو سے دوسرے کو فائدہ پہنچانے کا یہ بھی ایک ذریعہ ہے کہ اسے بھلی بات بتائی جائے اور اچھی باتوں کی یاددہانی کرائی جائے۔ بلاشبہ اس ذریعہ سے جو فائدہ حاصل ہوتا ہے وہ مادی نفع سے کہیں زیادہ قیمتی وکارگر ہوتا ہے، اس لیے کہ اس سے اس کی زندگی سدھرتی ہے اور نیکیوں کی راہ ملتی ہے جو اسے حقیقی کامیابی وکامرانی سے ہمکنار کرتی ہے۔ ارشادِ الٰہی ہے:

وَذَكِّرْ فَإِنَّ الذِّكْرَى تَنفَعُ الْمُؤْمِنِينَ (الذاریات: ۵۱/۵۵)	اور یاددہانی کرتے رہو، بے شک یاددہانی کرنا مومنین کو نفع دیتا ہے۔

کسی کو نصیحت کرنے، اچھی بات بتانے اور خیر کی طرف رہنمائی کرنے کے کس قدر فیوض وبرکات ہیں اس کا اندازہ اس حدیث سے لگایا جا سکتا ہے جس میں یہ بیان کیا

گیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: من دلَّ علىٰ خير فله مثل اجر فاعله (صحیح مسلم، کتاب الامارۃ، باب فضل اعانۃ الغازی فی سبیل اللہ بمرکوب وغیرہ) [جو کسی کو اچھی بات بتائے اسے اس پر عمل کرنے والے کے برابر ثواب ملے گا]۔

یہاں اس جانب بھی توجہ دلانا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ بھلی بات یا اچھی بات بہت قسم کی ہوسکتی ہے، لیکن جس بات کے ذریعہ اللہ کی طرف بلایا جائے یا پروردگارِ عالم کے پسندیدہ دین کی دعوت دی جائے، اس سے بڑھ کر اچھی یا خیر کی بات اور کیا ہوسکتی ہے۔ یہ آیت اسی حقیقت کو کھول کر بیان کر رہی ہے:

وَمَنْ أَحْسَنُ قَوْلاً مِّمَّن دَعَا إِلَى اللهِ وَعَمِلَ صَالِحاً وَقَالَ إِنَّنِي مِنَ الْمُسْلِمِينَ (حٰم السجدۃ: ۳۳/۴۱)	اور اس سے اچھی کس کی بات ہوسکتی ہے جو [لوگوں کو] اللہ کی طرف بلائے اور [خود] نیک عمل کرے اور کہے کہ میں فرماں برداروں میں سے ہوں۔

اس سے معلوم ہوا کہ جو بات یا کلمہ بندہ کا تعلق اس کے خالق و مالک سے جوڑ دے یا اس کا راستہ دکھائے اس سے عمدہ بات اور کوئی نہیں ہوسکتی۔

نصیحت کرنے، خیر کی باتیں بتانے اور یاددہانی کے لیے مختلف قسم کی کتب سے مواد اخذ کیا جاسکتا ہے، لیکن حقیقت یہ کہ اس کا سب سے عمدہ و مستند ماخذ قرآن کریم ہے۔ اس کی سب سے بڑی شہادت اس سے ملتی ہے کہ خود قرآن میں اس کتاب عظیم کے لیے یہ الفاظ "ذکر، ذکریٰ اور موعظۃ" استعمال کیے گئے ہیں۔ یعنی یہ سراپا نصیحت و یاددہانی ہے اور اللہ نے انسان کو یہ بھی بار بار یاد دلایا ہے کہ اس نے نصیحت حاصل کرنے لیے قرآن کو آسان کردیا ہے، کیا ہے کوئی جو اس سے نصیحت حاصل کرے؟ (وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ / القمر: ۴۰،۳۲،۲۲،۱۷/۵۴)۔ مزید یہ کہ اللہ رب العزت نے اسی کتاب کے توسط سے نصیحت کرنے یا یاددہانی کرانے کی ہدایت بھی دی ہے۔ فرمانِ الٰہی ہے:

فَذَكِّرْ بِالْقُرْآنِ مَن يَخَافُ وَعِيدِ (ق: ۴۵/۵۰)	پس قرآن کے ذریعہ نصیحت کرو ہر اس شخص کو جو میری تنبیہ سے ڈرتا ہے۔

اوپر کی تفصیلات سے معلوم ہوا کہ کسی کو نفع پہنچانے کی متعدد صورتیں ہیں جن کی وضاحت قرآن وحدیث سے ملتی ہے۔ اسی ضمن میں یہ ذکر بھی اہمیت سے خالی نہ ہوگا کہ کسی کو ایذا رسانی سے محفوظ رکھنا یا تکلیف دہ چیزوں سے بچانا یہ بھی نفع پہنچانے کی ایک صورت ہے اور جس طرح نفع رسانی کے بہت سے ذرائع ہیں اسی طرح ایذا رسانی کی مختلف شکلیں (بدکلامی، طعنہ زنی، تحقیر، استہزاء، بدگمانی، الزام تراشی، غیبت، عیب جوئی لعنت و ملامت، فضول خرچی، خیانت، فریب دہی، بے ایمانی، چوری، ڈاکہ زنی، غصب و لوٹ و مار) ہیں۔ ان سب سے اجتناب اور دوسروں کو ان سے محفوظ رکھنا نفع رسانی کا دوسرا پہلو ہے جو کچھ کم اہمیت کا حامل نہیں ہے۔ اب ذیل میں نفع رسانی کے دوسرے پہلو کی کچھ وضاحت مقصود ہے۔

قرآنی آیات سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ اسلام اپنے ماننے والوں، خواہ مرد ہوں یا عورت، یہ مطالبہ کرتا ہے کہ وہ اس طرح شب وروز گزاریں کہ ان کی کسی بات یا عمل سے دوسروں کو تکلیف نہ پہنچے۔ کسی کو اذیت پہنچانا، چاہے ذہنی ہو یا جسمانی، نفسیاتی ہو یا قلبی سخت گناہ ہے اور اس سے اپنے آپ کو دور رکھنا نیکی ہے۔ قرآن کریم میں ایذا رسانی کو کھلا ہوا گناہ قرار دیا گیا ہے۔ ارشادِ الٰہی ہے:

وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ بِغَيْرِ مَا اكْتَسَبُوْا فَقَدِ احْتَمَلُوْا بُهْتَاناً وَإِثْماً مُّبِيْناً (الاحزاب: ۵۸/۳۳)	اور جو لوگ مومن مردوں اور مومن عورتوں کو بے قصور اذیت دیتے ہیں انہوں نے اپنے ایک بڑے بہتان اور صریح گناہ کا وبال اپنے سر لیا ہے۔

زبانی ایذا رسانی یا اپنی باتوں کے ذریعہ کسی کو تکلیف پہنچانا بہت عام ہے۔ بڑی آسانی سے لوگ زبان سے ایسے الفاظ یا کلمات ادا کر دیتے ہیں جن سے دوسروں کو تکلیف پہنچتی ہے یا ذہنی اذیت ہوتی ہے۔ صورتِ حال یہ ہے کہ بعض اوقات وہ سوچتے بھی نہیں کہ وہ کیا کہہ رہے ہیں، ان کی باتوں سے کسی کو تکلیف تو نہیں پہنچے گی؟۔ زبانی ایذا رسانی اس قدر عام ہوگئی ہے کہ بعض لوگ اسے برائی سمجھتے بھی نہیں۔ قرآن کریم میں اس کی سخت

ممانعت کی گئی ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّن قَوْمٍ عَسَى أَن يَكُونُوا خَيْراً مِّنْهُمْ وَلَا نِسَاء مِّن نِّسَاء عَسَى أَن يَكُنَّ خَيْراً مِّنْهُنَّ وَلَا تَلْمِزُوا أَنفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوا بِالْأَلْقَابِ (الحجرات: ۴۹/۱۱)

اے ایمان والو! کچھ لوگ دوسرے کا مذاق نہ اڑائیں، ہوسکتا ہے کہ وہ [حقیقت میں] ان سے بہتر ہوں اور اسی طرح کچھ عورتیں دوسری عورتوں کا مذاق نہ اڑائیں، ہوسکتا ہے وہ ان سے بہتر ہوں، اور ایک دوسرے کو عیب نہ لگاؤ اور نہ ایک دوسرے کو برے لقب سے یاد کرو۔

مذکورہ بالا آیت میں لوگوں کو اذیت پہنچانے کے جس ذریعہ سے منع کیا گیا ہے اس کا تعلق زبان و بیان سے ہے۔ اس آیت میں بہت ہی واضح انداز میں کسی کا مذاق اڑانے، کسی کا کوئی عیب ظاہر کرنے یا اسے برے نام/لقب سے پکارنے سے منع کیا گیا ہے۔ اسی طرح غیبت یا پسِ پردہ کسی کی برائی بیان کرنا اور چغل خوری بھی قرآن کی نگاہ میں انتہائی ناپسندیدہ ہے اور ان سے بچنے کی سخت ہدایت دی گئی ہے (الحجرات: ۴۹/ ۱۱-۱۲)۔ اول الذکر کسی کے دامن کو داغدار کرنے کی مذموم کوشش ہوتی ہے اور موخر الذکر کسی کو نقصان پہنچانے کی بری حرکت ہوتی ہے جس سے لوگوں کے تعلقات خراب کرکے ان میں دشمنی و عناد کے جذبات برانگیختہ کرنا مقصود ہوتا ہے۔ خاص طور سے غیبت کے بارے میں قرآن کا نقطۂ نظر اتنا سخت ہے کہ اس کی ممانعت کرتے ہوئے اس کے گھناؤنے پن کو اس طور پر واضح کیا کہ اس برائی میں ملوث ہونا گویا اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھانا ہے (الحجرات: ۴۹/۱۲)۔ ظاہر ہے کہ اس اندازِ بیان سے مقصود اس برائی کی شناعت واضح کرکے اس سے نفرت دلانا اور اس سے کلّی اجتناب کی اہمیت جاگزیں کرنا ہے۔ اسی طرح قرآن کریم میں ذہنی تکلیف پہنچانے والی بعض دیگر حرکتوں کی سخت ممانعت وارد ہوئی ہے (الحجرات: ۴۹/۱۱، القلم: ۶۸/ ۱۰-۱۱)۔

حدیث میں ایک مسلمان کی پہچان یہ بتائی گئی ہے کہ دوسرے مسلمان اس کی

زبان وہاتھ سے محفوظ رہیں۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: المسلم من سلم المسلمون من لسانہ و یدہ [مسلم وہ ہے جس کی زبان وہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں] (صحیح بخاری، کتاب الایمان، باب المسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ)۔ اس حدیث کی تشریح میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ اس میں خاص طور سے زبان وہاتھ کا ذکر اس لیے آیا کہ ان دونوں ذرائع سے کسی کو اذیت دینا بالکل عام ہے، ورنہ حقیقت یہ ہے کہ اسلام کسی بھی ذریعہ سے کسی کو تکلیف پہنچانے کی اجازت نہیں دیتا۔ درحقیقت صاحبِ ایمان کی یہ شناخت ہے کہ کسی کو اس کی کسی بات یا حرکت سے کوئی تکلیف نہ پہنچے۔ ایک دوسری حدیث میں ارشادِ نبوی ﷺ ہے: المسلم اخو المسلم لا یخونہ و لا یکذبہ و لا یخذلہ [مسلمان مسلمان کا بھائی ہے، نہ وہ اس کی خیانت کرتا ہے، نہ اس سے جھوٹ بولتا ہے اور نہ اسے رسوا ہونے دیتا ہے] (جامع ترمذی، ابواب البر، باب ما جاء فی شفقۃ المسلم علی المسلم)۔ اسی طرح کسی کے ساتھ بددیانتی کا معاملہ کرنا، کسی سے جھوٹ بولنا اور کسی کی ذلت کا سامان کرنا، یہ سب وہ حرکتیں ہیں جو کسی نہ کسی صورت میں دوسرے کو تکلیف پہنچانے والی ہوتی ہیں، خاص طور سے ذہنی اذیت کا باعث بنتی ہیں۔

یہاں یہ نکتہ قابلِ غور ہے کہ قرآن کریم میں ذہنی اذیت دینے والی باتوں/حرکتوں سے دور رہنے یا اپنے کو بچانے کی خاص تاکید کی گئی ہے۔ اس کی وجہ بظاہر یہ معلوم ہوتی ہے کہ ذہنی اذیت دینے والی بات یا حرکت نہ صرف دل دماغ کو متاثر کرتی ہے، بلکہ پورے جسم پر اس کا بہت برا اثر پڑتا ہے۔ اس طرح کی کچھ باتوں کا ذکر اوپر آچکا ہے، ان کے علاوہ قرآن نے اذیت پہنچانے والی جن باتوں یا حرکتوں کی ممانعت کی ہے ان میں بدگمانی، الزام تراشی، طنز وتشنیع، عیب جوئی، احسان جتانا وتحقیر شامل ہیں۔ اس آیت میں کتنے سخت الفاظ میں دوسروں کے عیب نکالنے والوں اور طعنہ وتشنیع کرنے والوں کو وعید سنائی گئی ہے:

وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةٍ (الھمزۃ: ۱/۱۰۴) — اور تباہی ہے طعنہ دینے والے اور عیب نکالنے والے کے لیے۔

کسی کو ذہنی اذیت دینا قرآن کی نگاہ میں کتنا بڑا جرم ہے، اس کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنا، کسی غریب کو مالی مدد دینا اور اپنے مال سے کسی ضرورت مند کی حاجت روائی بڑے ثواب کا کام ہے اور موجبِ اجر عظیم ہے، جیسا کہ متعدد آیات سے واضح ہوتا ہے، لیکن کسی غریب کی مدد کر کے اس پر احسان جتانا، اس کی تحقیر کرنا یا اس کی مدد کا ناجائز فائدہ اٹھانا (جو بہر صورت ذہنی اذیت کا باعث بنتا ہے) اس قدر ناپسندیدہ اور اتنا بڑا جرم ہے کہ قرآن نے اس کی ممانعت کے ساتھ یہ نکتہ بھی گوش گذار کیا کہ بھلی بات کہنا اور عفو و درگذر سے کام لینا اس صدقہ و خیرات سے بہتر ہے جس کے بعد ایسی بات کہی جائے یا ایسا طرز عمل اختیار کیا جائے جو ذہنی تکلیف پہنچانے والا ہو۔ اللہ رب العزت کا فرمان ہے:

قَوْلٌ مَّعْرُوفٌ وَمَغْفِرَةٌ خَيْرٌ مِّن صَدَقَةٍ يَتْبَعُهَا أَذًى وَاللّٰهُ غَنِيٌّ حَلِيمٌ. يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُبْطِلُوا صَدَقَاتِكُم بِالْمَنِّ وَالْأَذَىٰ (البقرۃ:۲/۲۶۳-۲۶۴)

بھلی بات اور معاف کر دینا اس صدقہ سے بہتر ہے جس کے پیچھے دکھ (پہنچانا) ہو، اللہ بے نیاز ہے اور بردبار ہے۔ اے ایمان والو! اپنے صدقات کو احسان جتا کر اور دکھ دے کر بے کار نہ کرو۔

اس حقیقت سے کون انکار کر سکتا ہے کہ عیب جوئی، الزام تراشی، طنز و تشنیع اور کسی کی تحقیر و تنقیص وہ کھلی ہوئی سماجی برائیاں ہیں جو باہمی تعلقات کو خراب کرنے کے علاوہ ان لوگوں کے لیے ذہنی تکلیف و نفسیاتی پریشانی کا باعث بنتی ہیں جن کو ان کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔ قرآن نے ان سب کے تئیں اپنا سخت موقف نہایت واضح انداز میں بیان کر دیا ہے، تاکہ انسان اپنے کو ان سے دور رکھے اور اللہ کے بندوں کو ان سے محفوظ رکھ کر اپنے رب کی خوشنودی حاصل کر سکے۔ یہ بات اللہ کو انتہائی ناپسند ہے کہ اس کے بندوں کو اذیت پہنچائی جائے، انہیں ستایا جائے یا دکھ دیا جائے۔ قرآن کریم میں صاف صاف مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ ظلم و زیادتی کرنے والوں، فتنہ و فساد برپا کرنے والوں اور تکبر و گھمنڈ کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا (النساء:۴/۳۶، المائدۃ:۵/۶۴، ۸۷، النحل:۱۶/۲۳، القصص:

۲۸/۷۷، الشوریٰ:۴۲/۴۰، الحدید: ۵۷/۲۳)۔ حقیقت یہ کہ اس سے بڑی زیادتی اور کیا ہوسکتی ہے کہ کسی کو ذہنی تکلیف پہنچائی جائے اور اس سے بڑا فساد کیا ہوگا کہ ایسی باتوں یا کاموں میں دلچسپی لی جائے جو رشتوں میں دراڑ پیدا کرتے ہیں اور باہمی تعلقات کو بگاڑنے کا سبب بنتے ہیں۔ ذہنی اذیت دینے والی مذکورہ برائیوں کے اسباب پر اگر غور کیا جائے تو یہ معلوم ہوگا کہ ان میں سے بیشتر کا سرا غرور وتکبر یا اپنے کو بڑا اور دوسروں کو حقیر سمجھنے سے ملتا ہے۔ یہاں یہ ذکر برمحل معلوم ہوتا ہے کہ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے سورۃ الھمز ۃ کی دوسری آیت (الّذی جمع مالاً و عدده /جس نے مال جمع کیا اور اسے گن گن کر رکھا) کی تشریح میں واضح فرمایا ہے کہ پہلے فقرہ "ویل لکل ھمزۃ" (عیب جوئی وطنز و تشنیع کرنے والوں کے لیے ہلاکت کی وعید) کے بعد یہ دوسرا فقرہ خود بخود یہ معنی دیتا ہے کہ لوگوں کی یہ تحقیر و تذلیل وہ اپنی مالداری کے غرور میں کرتا ہے (تفہیم القرآن، مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، نئی دہلی، ۲۰۰۰ء، ۶/۴۵۹، حاشیہ نمبر۔۲)۔

قرآن و حدیث میں ذہنی ایذا رسانی کے علاوہ جسمانی اذیت دینے یا کسی کو جسمانی نقصان پہنچانے والے تمام کاموں کی بھی ممانعت کی گئی ہے، چاہے وہ جھگڑا لڑائی ہو، مار پیٹ ہو یا قتل و غارت گری۔ اسی طرح ان کاموں کو موجبِ اجر وثواب قرار دیا گیا ہے جو لوگوں کو جسمانی تکالیف سے محفوظ رکھنے والے ہیں۔ اس کی بہت سی صورتیں ہوسکتی ہیں۔ ان میں راستہ سے تکلیف دہ چیز کا ہٹا دینا شامل ہے مثلاً اینٹ، پتھر، کانٹا، گندگی یا کوئی ایسی چیز جو راستہ میں پڑی ہو جس سے کسی تکلیف پہنچنے کا اندیشہ ہو۔ بعض اوقات اس طرح کے کاموں کو معمولی سمجھ کر نظر انداز کر دیا جاتا ہے، جب کہ یہ بڑے ثواب کا کام ہے، جیسا کہ متعدد احادیث سے ثابت ہے۔ حدیث میں ایمان کی ستّر سے زیادہ شاخیں بیان کی گئی ہیں اور انہی میں سے ایک راستہ سے تکلیف دہ چیز کا ہٹانا ہے (صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب شعب الایمان)۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ایک حدیث میں بیان کیا گیا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ لوگوں کے بدن کے ہر جوڑ کی طرف سے ایک صدقہ واجب ہے اور اس کی مختلف صورتیں ہیں۔ انہی میں سے یہ بھی ہے کہ راستہ سے تکلیف دہ چیز ہٹا

دی جائے (صحیح مسلم، کتاب الزکوۃ، باب بیان انّ اسم الصدقۃ علیٰ کلّ نوع من المعروف)۔ ایک دوسری حدیث سے راستہ سے تکلیف دہ چیز ہٹانے کی اہمیت وفضیلت مزید واضح ہوتی ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: بينما رجل يمشي بطريق وجد غصن شوك على الطريق فاخّره فشكر الله له فغفر له (صحیح مسلم، کتاب البر والصلۃ والآداب، باب فضل ازالۃ الاذیٰ عن الطریق)[ایک دفعہ ایک شخص راستہ میں چلا جارہا تھا کہ اس نے ایک کانٹے دار شاخ دیکھی۔ اس نے اسے راستہ سے (اس خیال سے کہ کسی کو اس سے تکلیف نہ پہنچے) ہٹا دیا۔ اللہ رب العزت نے اس کے عمل کی قدر فرمائی اور اسے بخش دیا]۔ اس حدیث سے یہ حقیقت عیاں ہوتی ہے کہ راستہ سے تکلیف دہ چیز کا ہٹانا جسے بہت معمولی کام سمجھا جاتا ہے کتنے بڑے اجر وثواب کے نصیب ہونے کا وسیلہ بنتا ہے۔ ریاض الصالحین کے اردو مترجم وشارح نے مذکورہ بالا حدیث کی تشریح کرتے ہوئے دل کو لگتا ہوا تبصرہ فرمایا ہے۔ خود ان کے الفاظ میں:

> ''لوگوں کو تکلیف اور نقصان پہنچانے سے بچانا اللہ کو پسند ہے، حتیٰ کہ راستوں سے تکلیف دہ چیزوں کو ہٹا دینا بھی اللہ کو بہت محبوب ہے۔ اسی طرح اس کے برعکس راستوں کو تنگ یا بند کردینا جس سے لوگوں کو تکلیف ہو، جیسے شادی بیاہ کے موقعوں پر لوگ نہایت دیدہ دلیری سے ایسی مذموم حرکتیں کرتے ہیں یا بعض دکاندار اور اہلِ مکان تجاوزات کھڑی کرکے لوگوں کو ایذا پہنچاتے ہیں، یہ کام اللہ کی ناراضی اور اس کے غضب کا باعث ہیں، لیکن قوم کی اخلاقی پستی کا حال یہ ہے کہ وہ یہ کام بڑے فخر سے اور اتراتے ہوئے کرتی ہے۔ انّا للله وانّا اليه راجعون (ریاض الصالحین، ۱/۱۵۳)۔

حقیقت یہ کہ کسی بھی ذریعہ سے بندگانِ خدا کو تکلیف دینا اسلام میں ممنوع ہے اور اذیت وزحمت سے انہیں بچانے کو صدقہ سے تعبیر کیا گیا ہے، یعنی یہ ایسا عمل ہے جو نیکی ہے اور نیکی اجرِ کثیر کا مستحق بناتی ہے۔ ایک دوسری حدیث میں اس نکتہ کی طرف ان الفاظ

میں متوجہ کیا گیا ہے:

عن ابی ذر جندب بن جنادۃؓ قال: قلتُ یا رسول اللہ ﷺ ایّ الاعمال افضل؟ قال الایمان باللہ والجہاد فی سبیلہ. قلتُ ایّ الرقاب افضل؟ قال: انفسہا عند اھلہا و اکثرھا ثمناً. قلتُ فان لم افعل قال: تعین صانعاً او تصنع لاخرق قلتُ یا رسول اللہ ﷺ: أ رأیت ان ضعفتُ عن بعض العمل؟ قال: تکفُّ شرك عن الناس فانّھا صدقۃ منك علیٰ علیٰ نفسك (صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب کون الایمان باللہ تعالیٰ افضل الاعمال)

حضرت ابوذر جندب ابن جنادۃؓ سے روایت ہے کہ میں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ کون سا عمل افضل ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ پر ایمان رکھنا اور اس کے راستہ میں جہاد کرنا۔ میں نے کہا کون سا غلام آزاد کرنا افضل ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: جو اپنے مالک کی نظروں میں سب سے زیادہ عمدہ ہو اور زیادہ قیمتی ہو۔ میں نے کہا: اگر میں یہ نہ کرسکوں، آپ ﷺ نے فرمایا: کسی کاریگر کی مدد کرو یا بے ہنر کا کام کردو۔ میں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ: اگر میں یہ بعض عمل کرنے سے عاجز رہوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: تم لوگوں کو اپنے شر سے بچائے رکھو، یہ بھی تمھارا اپنے نفس پر صدقہ ہے (ریاض الصالحین، ۱/۱۴۶)۔

اسلام کی نگاہ میں کسی کو ستانا، تکلیف دینا اور یا کسی قسم کی زیادتی کا نشانہ بنانا کتنا بڑا جرم ہے اور ایسا کرنے والا روزِ جزا نیک اعمال کے اعتبار سے کیسا مفلس ہو جائے گا کہ اس کی نیکیاں ان لوگوں کو مل جائیں گی جن کو اس نے اپنی ستم رانیوں کا نشانہ بنایا تھا۔ اس کی وضاحت ایک حدیث سے ملتی ہے جس میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ ایک دفعہ نبی کریم ﷺ نے صحابہ سے دریافت فرمایا: کیا تم لوگ جانتے ہو کہ مفلس کون ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ ہم میں مفلس وہ ہے جس کے پاس نہ درہم ہو اور نہ سامان (من لا درھم لہ ولا متاع)۔ آپ ﷺ نے فرمایا: میری امت میں مفلس وہ ہے جو قیامت کے دن نماز،

روزہ و زکوٰۃ کے ساتھ آئے گا، لیکن وہ اس حال میں آئے گا کہ کسی کو اس نے گالی دی ہوگی، کسی پر بہتان تراشی کی ہوگی، کسی کا مال (ناجائز طور پر) کھایا ہوگا، کسی کا خون بہایا ہوگا اور کسی کو مارا ہوگا۔ پس ان مظلومین کو (ان کے ساتھ کی گئی زیادتی کی تلافی کے طور پر) اس کی نیکیاں دے دی جائیں گی۔ اور اگر اس کی نیکیاں ختم ہوگئیں اس سے پہلے کہ اس کے ذمہ دوسروں کے حقوق باقی ہوں تو ان کے گناہ اس پر ڈال دیے جائیں گے، پھر اسے (نیکیوں سے خالی ہونے کے بعد) جہنم میں پھینک دیا جائے گا (صحیح مسلم، کتاب البرّ، باب تحریم الظلم، ریاض الصالحین، ۱/۲۳۱)۔

آخر میں یہ وضاحت ضروری معلوم ہوتی ہے کہ اوپر مذکور بعض آیات و احادیث میں مومن یا مسلم کو اذیت دینے سے منع کیا گیا ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ دوسرے مذاہب کے ماننے والوں کے ساتھ یہ برتاؤ جائز ہے۔ حقیقت یہ کہ اسلام کسی (خواہ مسلم ہو یا غیر مسلم) کو بھی تکلیف پہنچانے یا اذیت دینے کو روا نہیں رکھتا۔ قرآن و حدیث میں احکام زیادہ تر مسلم معاشرہ کو پیشِ نظر رکھ کر دیے گئے ہیں، اسی لیے مومن یا مسلم کے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں۔ یہاں یہ واضح رہے کہ قرآن کریم میں بار بار بالکل عام انداز میں عدل و انصاف برتنے، ظلم و زیادتی سے باز رہنے اور فحشاء و منکر یا بری باتوں اور بے حیائی کے کاموں سے اجتناب کی ہدایت دی گئی ہے اور ان ہدایات کا تعلق سب کے معاملہ سے ہے، چاہے مسلم ہوں یا غیر مسلم۔ اس ضمن میں یہ آیت بہت ہی مشہور ہے:

إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالإِحْسَانِ وَإِيْتَاءِ ذِي الْقُرْبَى وَيَنْهَى عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنكَرِ وَالْبَغْيِ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ (النحل:۱۶/۹۰)

بے شک اللہ حکم دیتا ہے انصاف کرنے کا، [سب کے] ساتھ بھلائی کرنے کا اور رشتہ داروں کا حق ادا کرنے کا اور روکتا ہے بے حیائی کی باتوں سے، ہر طرح کی برائی سے اور ظلم و زیادتی کے کاموں سے تمہیں نصیحت کرتا ہے تاکہ تم لوگ نصیحت حاصل کرو۔

یہ بات محتاجِ بیان نہیں کہ ظلم و زیادتی کرنا، کسی کے ساتھ بے حیائی سے پیش آنا

یا کسی کے ساتھ بری حرکت کرنا بڑی اذیت کا باعث بنتا ہے۔ اس آیت میں اذیت پہنچانے والی باتوں سے بالکل عام انداز میں منع کیا گیا ہے، بلا شبہ ان سے اجتناب کا مطلب دوسروں (خواہ وہ کوئی بھی ہو) کو ایذا رسانی سے محفوظ رکھنا ہے۔ آیت کے پہلے حصہ میں ہر ایک کے ساتھ عدل و انصاف کا معاملہ برتنے اور ہر ایک کے ساتھ اچھا سلوک کرنے یا خیر کا معاملہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ ظاہر ہے اس حکم کی پیروی کرنے والا دوسروں کو ظلم و زیادتی کا نشانہ نہیں بنائے گا، بلکہ وہ ایسے کاموں میں سرگرمی دکھائے گا جن سے دوسروں کا بھلا ہو، بالفاظ دیگر اس حکم پر سنجیدگی سے عمل کرنے والا دوسروں کو نقصان پہنچانے یا تکلیف دینے والی باتوں/حرکتوں سے اپنے کو دور رکھنے کی کوشش کرے گا۔

یہاں یہ بھی واضح رہے ایک دوسری آیت میں اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان کو یہ حکم دیا ہے: لوگوں کی دشمنی و مخالفت تمہیں اس پر برانگیختہ نہ کردے کہ تم ان کے ساتھ انصاف کرنا چھوڑ دو۔ ہر حال میں انصاف سے کام لو، یہی تقویٰ سے قریب تر عمل ہے (المائدہ:۸/۵)۔

توجہ طلب بات یہ ہے کہ اس آیت میں ہر ایک حتی کہ دشمنوں کے ساتھ بھی عدل و انصاف کا معاملہ کرنے کی تاکید کی گئی ہے۔ مزید براں قرآن کریم میں ان اہلِ ایمان کی فضیلت بیان کی گئی ہے جو دشمنوں کی قولی و عملی ایذا رسانی یا دل آزار باتوں و حرکتوں کے ردِ عمل میں انہی جیسا طرزِ عمل نہیں اختیار کرتے، بلکہ صبر و ضبط سے کام لیتے ہیں اور اللہ سے ڈرتے ہوئے اس کے بندوں کو ایذا رسانی سے بچاتے ہیں۔ ارشادِ ربانی ہے:

وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِيْنَ أُوتُواْ الْكِتَابَ مِن قَبْلِكُمْ وَمِنَ الَّذِيْنَ أَشْرَكُواْ أَذًى كَثِيراً وَإِن تَصْبِرُواْ وَتَتَّقُواْ فَإِنَّ ذَلِكَ مِنْ عَزْمِ الأُمُورِ	اور تم اہلِ کتاب اور مشرکین سے بہت سی تکلیف دہ باتیں سنو گے، اگر ان سب حالات میں صبر اور خدا ترسی کی روش پر قایم رہو تو یہ بڑے حوصلہ کا کام ہے۔

(آل عمران:۱۸۶/۳)

مزید براں یہ بھی پیشِ نظر رہے کہ ایک حدیث (جو اوپر نقل کی جا چکی ہے) میں نبی کریم ﷺ نے (مسلم و غیر مسلم کی تفریق کے بغیر) بالکل عام انداز میں ارشاد فرمایا کہ

لوگوں کو اپنے شر سے محفوظ رکھنا صدقہ یعنی نیک کام ہے جو موجبِ اجر وثواب ہے۔ حقیقت یہ کہ نبی کریم ﷺ کی سیرت پاک (جو قرآن کی عملی تعبیر ہے) اس بات پر گواہ ہے کہ آپ ﷺ نے ہمیشہ اپنے آپ کو ایسی باتوں اور ایسے کاموں سے بہت دور رکھا اور صحابہٗ کرامؓ کو بھی ان سے دور رہنے کی ہدایت دی جن سے کسی کو تکلیف پہنچے۔ سخت سے سخت مخالفین اور دشمنوں کے ساتھ بھی آپ ﷺ نے حسنِ سلوک کا مظاہرہ کیا، حتیٰ کہ دشمنوں یا مخالفوں کی جانب سے آپ ﷺ کی شان میں نازیبا کلمات کے استعمال پر اگر کسی صحابی یا کاشانۂ نبوت کے کسی فرد نے ان کا سخت جواب دیا یا کوئی منتقمانہ کاروائی کرنی چاہی تو آپ ﷺ نے انہیں منع کیا اور یہ تاکید کی کہ اپنے کو بدزبانی سے بچاؤ اور ایسے لوگوں کے ساتھ بھی نرم رویہ اختیار کرو۔ (تفصیلات کے لیے ملاحظہ کریں: شبلی نعمانی، سیرۃ النبی ﷺ، دار المصنفین شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ، ۲۰۰۳ء، ۲/۲۸۶۔۲۹۴)۔

مختصر یہ کہ کسی کو تکلیف پہنچانے والی کوئی بات کہنا یا ایسے کام کرنا جس سے کسی کو اذیت پہنچے قرآن وحدیث کی رو سے بڑے گناہ کا کام ہے، اس سے ہمیں ہر حال میں بچنا چاہیے۔ اسی طرح ذہنی اذیت دینے والے کلمات سے دوسروں کو محفوظ رکھنا اور انہیں تکلیف دہ حرکتوں سے بچانا بڑی نیکی ہے جس کے کمانے میں ہمیں ہمیشہ سرگرم رہنا چاہیے، تاکہ ہمارے ذخیرۂ حسنات میں اضافہ ہوتا رہے۔ اللہ کرے قرآن وحدیث کی ہدایات وتعلیمات ہمارے دل ودماغ میں رچ بس جائیں اور دوسروں کو نفع پہنچانا ہمارا شیوہ بن جائے۔ آمین ثم آمین۔